قلمی شہزادہ

از

حضرت خواجہ حسن نظامی

کئی سال کا ذکر ہے کہ علی گڑھ سے بریلی جانے کے لئے چندوسی جنکشن پر ٹرین بدلنے کے لئے اترا اور قاعدے کے موافق اسباب اتارنے کے لئے بہت سے قلی دوڑے ہوئے آئے میں نے دیکھا ان میں ایک قلی سب قلیوں کے پیچھے کھڑا ہے۔ سولہ سترہ برس کی عمر ہے چہرا زرد ہے ہونٹوں پر خشکی ہے آنکھوں میں ہلکی ہلکی سرخی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص رو رہا تھا اور ابھی آنسو پونچھ کر آیا ہے۔ اس کا کتابی چہرہ، دُبلا بدن، مغموم صورت اور بیکسی کی شان سے سب قلیوں کے پیچھے صبر کے ساتھ کھڑا رہنا مجھ کو بہت اچھا معلوم ہوا یا یوں کہنا چاہئے کہ قلیوں کی بے صبری اور کشمکش کے مقابلے میں اس قلی کا صبر اطمینان میرے دل کی کشش کا باعث ہوا۔ اور میں نے سب قلیوں کو ہٹا دیا جو غل مچا رہے تھے اور میرے اسباب پر گرے پڑتے تھے۔ اور ہاتھ کے اشارے سے اُس زرد رو قلی کو قریب بلایا جو خاموش کھڑا تھا اور اس سے کہا کہ میرا اسباب بریلی کی ٹرین پر لے چلو۔ قلی نے جواب دیا ابھی گاڑی آنے میں دیر ہے۔ اگر آپ کہیں تو ابھی لے چلوں یا کچھ دیر ٹھہر جائیے یہاں سایہ اور دوسرے پلیٹ فارم پر دھوپ ہے۔ میں نے کہا مجھے عصر کی نماز پڑھنی ہے کوئی مسجد قریب ہو تو بتاؤ۔ قلی نے کہا مسجد تو بہت قریب ہے۔ چلئے اتنی دیر میں ٹھہر یئے گا۔ یہ کہکر قلی نے میرا اسباب اٹھالیا اور مسجد میں لے جاکر رکھ دیا اور وضو کے لئے گرم پانی حمام سے لایا اور وضو کرانے لگا۔ مجھے یہ تمیز داری دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی کہ یہ کون ہے قلی تو ایسے سلیقہ مند نہیں ہوا کرتے۔

جب میں وضو کر چکا تو قلی نے میرا نام اور وطن دریافت کیا۔ میں نے کہا میرا نام حسن نظامی ہے اور دہلی میں رہتا ہوں۔ یہ سن کر قلی خاموش ہو گیا اور اس نے کوئی غیر معمولی خوشی میرا نام سننے سے ظاہر نہیں کی۔ اور میں نے خیال کیا کہ قلی میرے نام کی شہرت سے واقف نہیں ہے۔

میں نماز کے لئے کھڑا ہوا اور قلی چلا گیا۔ لیکن جب نماز سے فارغ ہوا تو دیکھا کہ وہ قلی ایک سینی لئے چلا آتا ہے۔ جس پر ایک صاف ستھرا سفید رومال ڈھکا ہوا ہے۔ سینی سامنے رکھ کر اس نے کہا۔ ایک پیالی چائے پی لیجئے آج سردی بہت زیادہ ہے۔ میں نے کہا مجھے چائے کی عادت نہیں ہے۔ تم نے پہلے دریافت نہ کر لیا۔ ناحق لے آئے۔

قلی نے کہا یہ چاء بازار کی نہیں ہے۔ اپنے گھر سے لایا ہوں اور میری والدہ نے بھیجی ہے۔ میں نے اس سے کہا۔ تم کون ہو؟ اور یہاں کب سے یہ پیشہ کرتے ہو۔ یہ سن کر وہ لڑکا خاموش ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ اس کے بعد میں نے کوئی سوال نہ کیا اور سینی پوش اٹھا کر چاء پینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ سینی میں ایک بہت صاف ستھری رکابی میں گرم گرم جلیبیاں رکھی ہوئی تھیں اور ایک پیالی چاء سے بھری ہوئی تھی۔ شکر اور دودھ اس میں ملا ہوا تھا۔ اور ایک طرف سینی میں پان، چھالیا۔ زردہ الائچی رکھی ہوئی تھی۔ میں نے جلیبیاں کھائیں۔ چاء پی اور اس کے بعد پان کھایا اور قلی سے پھر وہی سوال کیا۔ تو قلی نے نہایت مغموم لہجے میں کہا۔ یہ سب حال آپ کو میری والدہ بتائیں گی جنہوں نے یہ چاء بھیجی ہے۔

میں نے اپنے ملازم کو اسباب کے پاس بٹھایا اور خود تلی کے ساتھ اس کی ماں کے پاس گیا۔ جو ریل کے قریب ہی ایک چھوٹے سے مکان میں تھیں مجھ کو تلی کی والدہ نے سامنے بلا لیا۔ پردہ نہیں کیا۔ ان کی عمر ستر برس سے زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ نہایت دبدبہ اور تمکنت سے وہ ایک چارپائی پر بیٹھی چھالیا کتر رہی تھیں۔ اور چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ نہایت دانش مند عورت ہیں۔ جب میں سامنے گیا تو انہوں نے بہت وقار مگر اخلاق کے ساتھ کہا۔ آئیے آئیے اور سامنے دوسری چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔ تو کہا میرے لڑکے نے آپ کا ذکر مجھ سے کیا۔ میں آپ کے خاندانی حالات سے اچھی طرح واقف ہوں اور مجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کو میرے خاندان سے بہت ہمدردی ہے۔ اس واسطے میں نے چائے بھیجنے کی جرأت کی اور یہاں بلانے کی تکلیف بھی دی۔

میں آپ سے اپنی مصیبت کا خلاصہ کہنا چاہتی ہوں۔ مجھے کسی قسم کی مدد درکار نہیں ہے مجھے یہ کہنا ہے کہ آپ میرے لئے اور میرے اکلوتے بچے کے لئے دعا کیجئے کہ خدا ہم دونوں کو دل کا اطمینان عطا فرمائے۔ اور ہم اپنی مصیبتوں کو بھول جائیں۔

میں بہادر شاہ بادشاہ کی پوتی ہوں مرزا مغل میرے باپ تھے جو غدر میں شہید ہوئے۔ اور یہ میرا بیٹا ہے جو خدا نے بڑھاپے میں دیا تھا یعنی جب میری عمر پچاس سال کے قریب ہو گئی تب یہ لڑکا پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا ابھی حال میں انتقال ہوا ہے اور ہم کو چندوسی میں آئے ہوئے دو تین مہینے سے زیادہ

عرصہ نہیں ہوا۔

یہ سب حالات سن کر میرے دل کی حالت دگرگوں ہوگئی اور تھوڑی دیر میں سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ اس کے بعد میں نے کہا میں بہت ممنون ہوں کہ آپ نے چارا اور مٹھائی بھیج کر مسافر نوازی کی۔ اگر ریل کا وقت قریب نہ ہوتا تو میں آپ کی زندگی کے اور خاص کر غدر کے حالات اور بعد کے واقعات کی تفصیل پوچھتا۔ مگر بریلی جانا ضروری ہے اور ریل کا وقت قریب آگیا ہے ممکن ہوا تو واپسی کے وقت پھر یہاں آؤں گا۔ یہ کہہ کر میں کھڑا ہوگیا اور شہزادی صاحبہ کو سلام کر کے ٹرین پر آیا۔ قلی شہزادہ کو میں نے پانچ روپے دینے چاہے مگر اس نے انکار کیا اور باوجود شدید اصرار کے ایک پیسہ بھی مجھ سے نہ لیا۔

دوسری ملاقات اور شہزادی کی سرگذشت

تین دن بریلی رہ کر پھر چندوسی آیا۔ لیکن جب ٹرین پہنچی تو قلی شہزادے کو نہ دیکھا۔ دوسرے قلیوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا وہ بیمار ہے۔ میں اس کے گھر پر گیا تو دیکھا کہ قلی شہزادہ بخار میں پڑا ہوا ہے اور ماں سرہانے بیٹھی سر دبا رہی ہے۔ مجھ کو دیکھ کر وہ دونوں بہت خوش ہوئے شہزادی نے کہا۔ اچھن کو کل سے بخار ہے۔ رات کو تکلیف زیادہ تھی اب ذرا کم ہے۔

معمولی بات چیت کے بعد میں نے کہا میں صرف یہاں دو گھنٹے ٹھہر سکتا ہوں۔ اگر آپ مجھے اپنے سب حالات سنا دیں تو بہت مہربانی ہوگی۔

شہزادی نے کہا میں کسی کے سامنے اپنی مصیبت اور اپنے خاندان کے

حالات بیان نہیں کیا کرتی۔ مگر آپ سے چھپانے کی ضرورت نہیں اس واسطے کہے دیتی ہوں کہ میرا نام لالہ رُخ ہے۔ مرزا مغل کی بیٹی ہوں۔ میری والدہ نکاحتہ بیوی نہ تھیں بلکہ رامپور کی ایک ڈومنی تھیں۔ غدر کی مصیبت آپ کو معلوم ہی ہے۔ والد کو جب ہمایوں کے مقبرہ سے فرنگی پکڑ کر لے گئے۔ تو ہم سب ہمایوں کے مقبرے میں تھے۔ والد واپس نہ آئے اور ان کے قتل ہو جانے کی خبر آئیں تو اس وقت سے لے کر چالیس برس کی عمر تک مجھ پر ہزاروں قسم کی مصیبتیں آئیں میں اپنی والدہ کے ہمراہ رامپور بھی رہی اور جب وہ مرگئیں تو بریلی، لکھنو، الہ آباد اور مرزا پور میں رواں دواں پھرتی رہی۔ آخر مرزا پور میں ہمارے تیموریہ خاندان کے ایک شخص ملے اور ان سے میں نے چالیس برس کی عمر میں شادی کر لی۔ انکی عمر بھی پچاس برس سے زیادہ تھی اور سالہا سال کے بعد آخری عمر میں یہ لڑکا پیدا ہوا جس کا نام میں نے نانا کے نام پر مغل مرزا رکھا اور کئی سال تک ہم مرزا پور میں رہے۔ اور میرے شوہر کا مرزا پور ہی میں انتقال ہوا۔ آپ کے ہاں کی درگاہ کا حال تو میں بچپن سے جانتی ہوں۔ لیکن آپ کا نام مرزا پور میں سنا کرتی تھی کیونکہ اچھن کے باپ اخبار پڑھا کرتے تھے اور آپ کا ذکر سنایا کرتے تھے اس لڑکے مغل مرزا کو وہی مرحوم اچھن مرزا کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

ان کے انتقال کے بعد پھر مجھے مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اچھن بہت چھوٹا تھا مگر خدا نے وہ دن بھی گزار دیئے اور اب میں اپنے اچھن کے طفیل بہت آرام سے زندگی بسر کر رہی ہوں۔ یہ بڑا نیک لڑکا ہے روزانہ روپیہ ڈیڑھ روپیہ مزدوری کما کے لاتا ہے اور ہم دونوں نہایت آرام کے ساتھ بسر کر رہے ہیں۔

میں نے کہا آپ نے مختصر طور سے ساری زندگی کا خلاصہ بیان کر دیا۔ لیکن غدر کے زمانے کی مصیبت کو ذرا تفصیل سے سننا چاہتا ہوں کیونکہ میں اس قسم کے حالات ایک کتاب میں لکھ رہا ہوں اور آپ کے والد مرزا مغل کے حالات بھی میں نے لکھے ہیں اس واسطے میں آپ سے غدر کے زمانے کی کیفیت پوچھنی ضروری سمجھتا ہوں۔

لالہ رخ بیگم صاحب نے فرمایا۔ میاں خدا کسی دشمن کو وہ وقت نہ دکھائے بہت برا وقت تھا۔ میری عمر چھوٹی تھی۔ اس وقت کچھ زیادہ سمجھ دار نہ تھی لیکن مجھے اس وقت کی سب باتیں اچھی طرح یاد ہیں۔ جب ابا جان کو فرنگی پکڑ کر لے گئے تو ہم سب ساری رات فکر کے سبب جاگتے رہے۔ ہم بچے تو خیر سو گئے تھے لیکن اماں جان اور سب عورتیں جاگتی رہیں۔ دوسرے دن صبح کو خبر آئی کہ ابا جان اور مرزا ابوبکر اور مرزا خضر سلطان اور مرزا عبداللہ سب کے سب فیروز شاہ کے کوٹلہ کی سڑک کے سامنے قتل کر دیئے گئے۔ تو سب عورتوں میں خوب رونا پیٹنا ہوا۔ ابھی ہم رو ہی رہے تھے کہ کسی نے کہا گھیرا پڑا، گھیرا پڑا، فرنگی فوج آگئی خاکی آگئے اور تھوڑی دیر میں کیا دیکھتے ہیں کہ بہت سے گورے اور سکھ اور پنجاب کے مسلمان سپاہی خاکی وردیاں پہنے ہوئے مقبرے کے اندر آئے اور ہم سب عورتوں کو گھیر لیا۔ اور پوچھا کہ کوئی مرد تم میں نہیں ہے۔ سب عورتیں چادروں سے منہ چھپائے ہوئے تھیں اور بعض برقعے اوڑھے ہوئے تھیں۔ کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو پنجاب کے مسلمان سپاہیوں نے جبراً سب کے منہ کھول کھول کر دیکھے اور جب کوئی مرد نہ ملا ہم کو چھوڑ کر چلے گئے۔

آخر ہم ہمایوں کے مقبرے سے عرب سرا میں آگئے اور کچھ دن کے بعد میری والدہ مجھ کو لے کر رامپور کی طرف روانہ ہوئیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ لکھنؤ بھی انگریزوں نے باغیوں سے جیت لیا تھا اور ہر جگہ امن چین قائم ہو گیا تھا پھر بھی یہ حالت تھی کہ جگہ جگہ راستے لٹتے تھے۔ میں اپنی والدہ کے ساتھ بیل گاڑی میں دہلی سے آئی تھی۔ جب ہماری گاڑی مرادآباد سے آگے بڑھی تو چوروں نے حملہ کیا اور ہماری گاڑی لوٹ لی۔ اور مجھ کو اور اماں کو ایک گاؤں میں لے گئے زیور اور کپڑا تو وہ پہلے ہی لے چکے تھے اب انہوں نے آپس میں مجھ کو اور اماں کو تقسیم کیا۔ ایک گاؤں والے کے حصے میں اماں آئیں اور دوسرے گاؤں والے کے حصّے میں میں آئی۔ اور جب اماں کو دوسرے گاؤں والا لے چلا تو میں دوڑ کر انھیں چمٹ گئی اور رونے لگی۔ اماں بھی بہت روئیں اور بہت عاجزی اور خوشامد سے کہا کہ مجھ کو اور میری بچی کو ایک ہی جگہ رکھو۔ جدائی نہ ڈالو۔ میں دکھیاری رانڈ ہوں اور یہ بن باپ کی بچی ہے۔ مگر چوروں کو ذرا رحم نہ آیا۔ اور جب میں نے زیادہ غل مچایا تو ایک چور نے میرے ایسا طمانچہ مارا کہ کلّے پر پانچوں انگلیوں کے نشان ہو گئے اور دانتوں سے خون کی کلیاں آنے لگیں اور میں طمانچہ کھا کر ایسی چپ ہوئی کہ گویا کبھی چیخی ہی نہ تھی۔ میرے ابّا مجھ سے بہت ہی محبت کرتے تھے اور ہر وقت میں ان کی گود میں رہتی تھی یہاں تک کہ جب باغی فوج کو لے کر انگریزوں سے لڑنے جایا کرتے تھے تو کئی دفعہ اس حالت میں بھی مجھے گھوڑے پر اپنے سامنے بٹھا کر لے گئے تھے اور یہ طمانچہ میری زندگی میں پہلا طمانچہ تھا جس سے میں ڈر کر سہم گئی تھی۔

میری اماں نے جب میری یہ حالت دیکھی کہ میرے منہ سے خون کی کلیاں آرہی ہیں تو وہ زمین پر لوٹ گئیں اور انہوں نے پاس آنا چاہا۔ مگر چور ان کو زبردستی کھینچ کر اپنے ساتھ لے گئے اور وہ روتی ہوئی ان کے ساتھ چلی گئیں حاصل مقصد یہ ہے کہ میں دو برس چوروں کے یہاں رہی اور انہوں نے اس قدر ظلم مجھ پر کئے جن کو بیان کرتے ہوئے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں آخر دو سال بعد خدا نے اماں سے ملنے کی صورت نکالی اور میں ان سے ملی اور چوروں سے ہم دونوں کو چھٹکارا حاصل ہوا۔ اس کے بعد اور طرح طرح کے واقعات پیش آتے رہے جن کا تذکرہ فضول ہے۔ آپ کو تو فقط غدر کا حال معلوم کرنا تھا۔ سو کہہ دیا

ختم شد